

آغاؤں کی محبت تک

یہ مقالہ اپنے عنوان سے بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت کے ابتدائی ۱۳ برس کی تاریخی جھلک ہے۔ دراصل دعوت و اصلاح کی اسلامی تحریک کے ارتقا کا ایک مکمل نقشہ بھی پیش کر رہا ہے جسے آج کی زبان میں "تاریخ انسانیت کے ایک عظیم انقلاب" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ دور عزیمت و استقلال تھا جس نے دنیا کی انسانیت کے سامنے کھن کے کشن حالات میں حق پرستی اور پامردی کے انٹ نافذ شدہ چھوڑے ہیں اور تجدید اچیلے دین کی راہوں پر چلنے والوں کے لیے سنگ میل بنائے ہیں۔

دعوت اسلامی کا یہ ابتدائی دور میں بتاتا ہے کہ صحیح تحریک اگرچہ اعلیٰ القصب العین، بلند فکری اقدار و سب سے تمام نظریات پر علمی برتری کی حامل ہوتی ہے لیکن وہ اپنی جامعیت اور نتیجہ خیزی کی بنا پر فکر و نظر تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد دوز و معاشرہ میں حق کی قوتوں کی گیمخت ہوتی ہے جو عمل خیر کا موجب بنتی ہیں۔ اس میں علم و معرفت کی اہمیت اسی اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ حق و غیر کے راستوں کی نشاندہی اور باطل سے تمیز کا سبب بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء کا ان علاقوں میں مبعوث ہونا ضروری نہیں ہوتا جو علم و فکر کی بالاتر کی وجہ سے یادوت پر فائز نہ ہوں اور نہ ہی انبیاء کی دعوت میں صرف صاحب علم و فضل لوگ ہی ملحوظ ہوتے ہیں نیز یہ دور عمن یہ عقدہ کشائی بھی کرتا ہے کہ انبیاء اگرچہ دینی و عصمت کی بدولت عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں جس کی وجہ سے صرف وہی مطاع قرار پاتے ہیں لیکن تبلیغ و دعوت کے میدانوں میں وہ عام لوگوں ہی کی طرح مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں اور اعلیٰ فطرت انسان کی حیثیت سے ابتلا و امتیاز میں سرخراں نہ کھتے ہیں۔ مگر نور نبوت کے ساتھ ان کی یہ بشریت نظر انداز کر دی جائے تو پھر ان کا دوسروں کے لیے قابل اتباع اور نمونہ ہونے کا کوئی معنی نہیں رہتا۔

یہ مقالہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مدظلہ العالی کی تحریروں کی تلخیص ہے اور اسے موجودہ شکل میں ادارہ مطالعہ و تحقیق نے مرتب کیا ہے۔ (ادارہ)

تاریکیوں میں چمکنے والی انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اللہ نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو منتخب فرمایا اور اسے انسانیت کا امام مقرر کیا۔ یہ ذمہ داری آپ کو کیا ایک سونپی گئی اور

آپ اس کے کسی درجہ میں خواہشمند نہ تھے۔ یہ انتخاب خداوندی تھا کہ آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور ایک عالمگیر دعوت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی گئیں۔ آپ کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گذری تھی، بس یکا یک راہ چلتے انہیں کیجی بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جس کا کوئی نقش آپ کے سابق زندگی میں نظر نہیں آتا۔ مکہ کے لوگ دجلتے تھے کہ غار حرا سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی، آپ کے مشاغل کیا تھے، آپ کی بات چیت کیا تھی، آپ کی بات چیت کے موضوعات کیا تھے آپ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں۔ یہ پوری زندگی سداقت، دیانت، امانت اور پاک بازی سے لبریز نہ رہی تھی، اس میں انتہائی شرافت، امن پسندی، پاس عمر، ادائے حقوق اور خدمت خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی، جس کی بنا پر کسی کے دہم و گمان میں بھی یہ خیال گذر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے۔ آپ سے قریب ترین ربط و ضبط رکھنے والوں میں آپ کے رشتہ داروں اور ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور رسائل اور مضمونوں کے متعلق کبھی ایک حرف تک آپ کی زبان سے نہ سنا جو غار حرا کی اس انقلابی ساعت کے بعد یکا یک آپ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا جو اچانک قرآن پاک کی صورت میں لوگ آپ سے سننے لگے۔ کبھی آپ دغذبنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ کبھی کوئی دعوت اور تحریک لے کر نہ اٹھے تھے، بلکہ کبھی آپ کی سرگرمی سے گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ آپ اجتماعی مسائل کے حل یا مذہبی اصلاح یا اخلاقی اصلاح کے لیے کوئی کام کرنے کی نذر میں اس انقلابی ساعت سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی ایک ایسے تاجر کی زندگی نظر آتی تھی جو سید سے سادے سے جائزہ طریقوں سے اپنی روزی کما رہا ہے۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ ہمانوں کی تواضع، غریبوں کی مدد اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے اور کبھی کبھی عبادت کرنے کے لیے خلوت میں جا بیٹھتا ہے ایسے شخص کا ایک عالمگیر زلزلہ ڈال دینے والی خطابت کے ساتھ اٹھنا، ایک انقلاب انگیز دعوت شروع کر دینا، ایک نرالا ٹریچر پیدا کر دینا، ایک مستقل فلسفہ حیات اور نظام فکر و اخلاق و تمدن لے کر سامنے آ جانا، مابراثر تیرے جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے کسی بناوٹ اور تیاری اور ارادی کوشش کے نتیجہ میں قطعاً رونما نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ایسی ہر کوشش اور تیاری ہر حال تدریجی ارتقاء کے مراحل سے گذرتی ہے اور یہ مراحل ان لوگوں سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتے جن کے درمیان آدمی شب و روز زندگی گزارتا ہو۔ اگر اہل عنہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان مراحل سے گزری ہوتی تو مکہ میں سینکڑوں زبانیں یہ کہنے والی ہوتیں کہ ہم نے کتنے کتنے شخص ایک بڑا دعویٰ لے کر اٹھنے والے ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کفارِ مکہ نے آپؐ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے مگر یہ اعتراض کرنے والا ان میں کوئی ایک بھی نہ تھا۔

پھر یہ بات کہ آپؐ خود بھی نبوت کے خواہشمند، یا اس کے لیے متوقع اور
اُتر کر اسے سُوائے قوم آیا منتظر نہ تھے بلکہ پوری بے خبری کی حالت میں اچانک آپؐ کو اس معاملہ

سے سابقہ پڑا، اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے جو احادیث میں آغازِ وحی کی کیفیت کے متعلق منقول ہوئے جبریلؑ سے پہلی ملاقات اور سورہٴ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد آپؐ غارِ حرا سے کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچتے ہیں، مگر دالوں سے کہتے ہیں کہ ”مجھے اڑھاؤ۔ مجھے اڑھاؤ“ کچھ دیر کے بعد جب خوفِ زلزلہ کی کیفیت دور ہوتی ہے تو اپنی رفیقِ زندگی کو سارا ماجرا سنا کر کہتے ہیں کہ ”مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔“ وہ فوراً جواب دیتی ہیں ”ہرگز نہیں۔ آپؐ کو اللہ کبھی رنج میں نہ ڈالے گا۔ آپؐ تو قرابت داروں کے حق ادا کرتے ہیں، بے بس کو سہارا دیتے ہیں، بے زر کی دستگیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔ ہر کارِ خیر میں مدد کے لیے تیار رہتے ہیں“ پھر وہ آپؐ کو لے کر ورنہ بن نوفل کے پاس جاتی ہیں جو ان کے چچا زاد بھائی اور اہلِ کتاب میں سے ایک ذی علم اور راستباز آدمی تھے۔ وہ آپؐ سے سارا واقعہ سننے کے بعد بلاتامل کہتے ہیں کہ ”یہ جو آپؐ کے پاس آیا تھا۔ وحی ناموس رکاز خاص پر مامور فرشتہ ہے جو موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ کاش میں جوا ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دے گی۔“ آپؐ پر چھتے ہیں ”کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟“ وہ جواب دیتے ہیں ”ہاں، کوئی شخص ایسا نہیں گذرا کہ وہ چہیزے کر آیا ہو، جو آپؐ لے کر آئے ہیں اور لوگ اس کے دشمن نہ ہو گئے ہوں۔“

یہ پورا واقعہ اس حالت کی تصویر پیش کر دیتا ہے جو بالکل فطری طور پر یکایک خلافتِ توقع ایک تہائی غیر معمولی تجربہ پیش آ جانے سے کسی سیدھے سادھے انسان پر طاری ہو سکتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے نبی بننے کی فکر میں ہوتے اپنے متعلق یہ سوچ رہے ہوتے کہ مجھے جیسے آدمی کو نبی ہونا چاہیئے اور اس انتظار میں مراقبہ کر کے اپنے ذہن پر زور ڈال رہے ہوتے کہ کب کوئی فرشتہ آتا ہے اور میرے پاس پیغام لاتا ہے تو غارِ حرا والا معاملہ پیش آتے ہی آپؐ خوشی سے اچھل پڑتے اور بڑے دم دعویٰ کے ساتھ پہاڑ سے اُتر کر سیدھے اپنی قوم کے پاس پہنچتے اور اپنی نبوت کا اعلان کر دیتے۔ لیکن اس کے برعکس یہاں حالت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھا تھا اس پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ کانپتے اور لرزتے گھر پہنچتے ہیں۔ لحاف اوڑھ کر لیٹ جاتے ہیں۔ ذرا دل ٹھہرتا ہے تو چپکے سے بیوی کو بتاتے ہیں کہ آج غار کی تہائی میں مجھ پر یہ حادثہ

گذرا ہے، مجھے اپنی جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ یہ کیفیت نبوت کے کسی امیدوار کی کیفیت سے کس قدر مختلف ہے، پھر بیوی سے بڑھ کر شوہر کی زندگی، اس کے حالات اور اس کے خیالات کو کون جان سکتا ہے، اگر ان کے تجربے میں پہلے سے یہ بات آتی ہوتی کہ میاں نبوت کے امیدوار ہیں اور ہر وقت فرشتے کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، تو ان کا جواب ہرگز وہ نہ ہوتا۔ جو حضرت خدیجہؓ نے دیا۔ وہ کہتیں ”میاں گہراتے کیوں ہو، بھی چیز کی مدت سے تمنا تھی وہ مل گئی، پلو اب پیری کی دکان چکاؤ، میں بھی نہ رانے سنبھالنے کی تیاری کرتی ہوں“ مگر وہ بندہ برس کی رفاقت میں آپؐ کی زندگی کا جو رنگ دیکھ چکی تھیں اس کی بنا پر انھیں یہ بات سمجھنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہ لگی کہ ایسے نیک اور بے لوث انسان کے پاس شیطان نہیں آ سکتا نہ اللہ اس کو بڑی آزمائش میں ڈال سکتا ہے، اس نے جو کچھ دیکھا ہے وہ سراسر حقیقت ہے۔

اور یہی معاملہ درتہ بن نوفل کا بھی ہے۔ وہ کوئی باہر کے آدمی نہ تھے بلکہ حضورؐ کی اپنی برادری کے آدمی تھے اور قریب کے رشتے سے برادر نسبتی تھے۔ پھر ایک ذی علم عیسائی ہونے کی حیثیت سے نبوت اور کتاب اور وحی کو بناوٹ اور تصنع سے تمیز کر سکتے تھے۔ عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے آپؐ کی پوری زندگی بچپن سے اس وقت تک ان کے سامنے تھی۔ انھوں نے بھی آپؐ کی زبان سے حرا کی سرگدشت سنی تو فوراً کہہ دیا کہ یہ آنے والا یقیناً وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ پر وحی لاتا تھا کیونکہ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی تھی جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ پیش آئی تھی کہ ایک انتہائی پاکیزہ سیرت کا سیدھا سادا انسان بالکل نالذہن ہے۔ نبوت کی فکر میں رہتا تو درکنار، اس کے حصول کا تصور بھی اس کے حاشیہ خیال میں کبھی نہیں آیا ہے اور اچانک وہ پورے ہوش و حواس کی حالت میں علانیہ اس تجربے سے دوچار ہوتا ہے۔ اسی چیز نے ان کو دوا و درچہار کی طرح بلا دنی تامل اس نتیجہ تک پہنچا دیا کہ یہاں کوئی فریب نفس یا کوئی شیطانی کرشمہ نہیں ہے، بلکہ اس سچے انسان نے اپنے کسی ارادے اور خواہش کے بغیر جو کچھ دیکھا ہے وہ دراصل حقیقت ہی کا مشاہدہ ہے۔

یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ایسا بین ثبوت ہے کہ ایک حقیقت پسند انسان مشکل ہی سے اس کا انکار کر سکتا ہے۔ اسی لیے قرآن میں متعدد مقامات پر اسے دلیل نبوت کے طور پر پیش کیا گیا، مثلاً سورہ یونس میں فرمایا ہے :

”اے نبی! ان سے کہو کہ اگر اللہ نے یہ نہ چاہا ہوتا تو میں کبھی یہ قرآن تمہیں نہ سنانا۔ بلکہ اس کی خبر تک تم کو نہ دیتا آخر میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزر چکا ہوں، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔“ (روکوع ۲۰)

اور سورہ شوریٰ میں فرمایا:

”اور اے نبی! تم جانتے تمک نہ تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے مگر ہم نے اس وحی کو ایک نور بنا دیا جس سے ہم رہنمائی کرتے ہیں۔ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں“

آغاز دعوت

جب آیت ”وانذر عشیوتک الاقربین“ نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے دادا کی اولاد کو خطاب فرمایا اور ایک باب کو پکار کر صافات صافات کہہ دیا کہ یا بنی عبدالمطلب، یا عباس، یا صفیہ عمتہ رسول اللہ، یا فاطمہ بنت محمد، انقذوا انفسکم من النار فان لا امدک لکم من اللہ شیئاً فاستلوا من مال ما تشاءتم۔ اے بنی عبدالمطلب، اے عباس، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی، اے فاطمہ محمد کی بیٹی تم لوگ آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرو، میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم لوگ جو چاہو مانگ سکتے ہو۔

پھر آپ نے صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پکارا ”یا بنی عبدالمطلب صبح کا خطرہ، اے قریش کے لوگو، اے بنی کعب بن لؤی، اے بنی مرہ، اے آل قحطی، اے بنی عبدمناف، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی ہاشم، اے آل عبدالمطلب“ اس طرح قریش کے ایک ایک قبیلے اور نذاندان کا نام لے لے کر آپ نے آواز دی۔

عرب میں قاعدہ تھا کہ جب صبح تڑکے کسی اچانک حملے کا خطرہ ہوتا تو جس شخص کو بھی اس کا پتہ چل جاتا وہ اسی طرح پکارنا شروع کرتا اور لوگ اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے دوڑ پڑتے۔ چنانچہ حضورؐ کی اس آواز پر سب لوگ گھروں سے نکل آئے اور جو خود نہ آسکا، اس نے اپنی حرث سے کسی کو خبر لانے کے لیے بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا ”لوگو، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات سچ مانو گے؟“ سنے کہا ہاں، ہمارے تجربے میں تم جھوٹ بولنے والے نہیں ہو۔“ آپ نے فرمایا ”اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو، میں خدا کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ قیامت میں میرے رشتہ دار صرف اتنی ہوں گے ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں اور تم لوگ دنیا کا وبال سر پہاٹھائے ہوئے آؤ۔ سو دقت تم پکارو گے یا محمد، مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منہ پھیر لوں۔ البتہ دنیا میں میرا اور تمہارا خون کا رشتہ ہے۔ اور یہاں میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی صلہ رجمی کروں گا“

پہلا دور: آغاز بعثت سے لے کر اعلان نبوت تک تقریباً تین سال، جس میں دعوت خفیہ طریقہ سے خاص خاص آدمیوں کو دی جا رہی تھی اور عام اہل مکہ کو اس کا علم نہ تھا۔

دوسرا دور: اعلان نبوت سے لے کر ظلم و ستم اور فتنہ کے آغاز تک تقریباً دو سال جس میں پہلے مخالفت شروع ہوئی، پھر تضحیک، استہزاء، الزامات، سب و شتم بھڑے پروپیگنڈا اور مخالفانہ جتنہ بندی تک نوبت پہنچی اور بالآخر ان مسلمانوں پر زیادتیاں شروع ہو گئیں، جو نسبتاً زیادہ غریب اور بے یار و مددگار تھے۔

تیسرا دور: آغاز فتنہ (سنہ نبوی ۱) سے لے کر ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات (سنہ نبوی ۵، ۶ سال) اس میں مخالفت انتہائی شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ بہت سے مسلمان کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا گیا اور اپنے حامیوں اور ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر دیے گئے۔

چوتھا دور: سنہ نبوی سے لے کر ۱۳ سنہ نبوی تک تقریباً ۳ سال۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے انتہائی تسخنی اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ مکہ میں آپ کے لیے زندگی دہبرہ کر دی گئی تھی۔ طائف گئے تو وہاں بھی پناہ نہ ملی۔ حج کے موقع پر عرب کے ایک ایک قبیلے سے آپ اپیل کرتے رہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کرے اور آپ کا ساتھ دے مگر ہر طرف سے کوہ جواب ہی ملتا رہا اور ادھر اہل مکہ بار بار یہ مشورہ کرتے رہے کہ آپ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا اپنی بستی سے نکال دیں۔ آخر کار اللہ کے فضل سے انصار کے دل آپ کے لیے کھل گئے اور ان کی دعوت پر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ہجرت حبشہ | قریش کے سردار جب تضحیک، استہزاء، اطماع، تنزیہ اور جھوٹے الزامات کی تشہیر سے تحریک اسلامی کو دبانے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے ظلم و ستم، مار پیٹ اور معاشی وباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نو مسلموں کو طرح طرح سے ستا کر، قید کر کے، بھوک پیاس کی تکلیفیں دے دے کشتی کو سخت جسمانی اذیتیں دے کر انھیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ غریب لوگ اور وہ غلام اور موالی جو قریش والوں کے زیر دست کی حیثیت رکھتے تھے بری طرح پیسے گئے مثلاً

بلالؓ، عامر بن قبیڈہؓ، ام عیسیٰؓ، زبیرؓ، عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدین وغیرہم۔ ان لوگوں کو مار مار کر اودھوا کر دیا جاتا، بعد کا پیاسا بند رکھا جاتا، مکہ کی تپتی ریت پر، چلچلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا جو لوگ پیشہ ور تھے۔ ان سے کام لیا جاتا اور اجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت جنابؓ ابن اُرت کی یہ روایت موجود ہے کہ:

”میں مکے میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ مجھ سے عاص بن وائلؓ نے کام لیا، پھر جب میں اس سے اجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمدؐ کا انکار نہ کرے“

اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں اور معاشرے میں کچھ عزت کا مقام رکھتے تھے انھیں ہر طریقے سے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ اسی زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت جنابؓ کہتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ”یا رسول اللہ! تو ظلم کی حد ہو گئی ہے آپؐ خدا سے دعا نہیں فرماتے؟“ بیس کر آپؐ کا چہرہ متماٹھا اور آپؐ نے فرمایا ”تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی بڑیوں پر لوہے کی کنگھیاں گھسی جاتی تھیں۔ ان کے سروں پر رکھ کر آگے چلائے جاتے تھے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آئے گا کہ ایک آدمی صنعا سے حضر موت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو۔“ (بخاری)

یہ حالات جب ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئے تو جب شکہ عام الفیل۔ ۶۱۰ء نبوی حضورؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: ”اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو“

اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ قریش کے لوگوں نے ساحل تک ان کا پیچھا کیا مگر خوش قسمتی سے شعیبہ کی بندگاہ پر ان کو بردت کشتی مل گئی اور وہ گرفتار نہ ہوئے بچ گئے۔

پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی۔ یہاں تک کہ ۸۳ء مرد، گیارہ عورتیں اور غیر قریشی مسلمان حبش میں جمع ہو گئے اور مکے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔ مسلسل،

ناشر: حافظ عبد الرحمن مدنی، طابع: چودھری رشید احمد، مطبع: مکتبہ جدید پرسی ہم خانہ جناح لاہور

ذرا سالانہ: ۱۵ روپے، فی پرچہ: ۵/۱۰ روپے